OPEN ACCESS
Al-Qamar
ISSN (Online): 2664-4398
ISSN (Print): 2664-438X
www.alqamarjournal.com

Al-Qamar, Volume 5, Issue 4 (October-December 2022)

اسلامی ریاست کے استحکام میں حضرت ابو بکر صدیقؓ کا کردار: ایک مطالعہ

A Study of the Role of Hazrat Abu Bakr Sadiq R.A in the Stability of the Islamic State

Dr. Khalid Rasool

Lecturer Islamic Studies, Govt. Boys Degree College, Tando Muhammad khan

Dr. Hafeez Ur Rehman Rajput

Lecturer Islamic Studies, Department Govt. College University, Hyderabad

Muswar Sikandar Makol

Research Scholar, Department of Comparative Religion and Islamic Culture, University of Sindh, Jamshoro

Abstract

It is the responsibility of the ruler of the Islamic state to stabilize the Islamic state and lead the state according to the Islamic Shari'ah and to take the leadership role when the state is in trouble. After the death of the Holy Prophet Hazrat Muhammadﷺ the Islamic state suffered from difficulties. False claimants of Prophethood arose, apostates rebelled, many tribes refused to pay Zakat, internal and external threats arose. In these circumstances, Hazrat Abu Bakr Siddique R.A taking the leadership. In this research paper the leadership role of Hazrat Abu Bakr Siddique R.A in the end of temptation in the difficult situation and the stability of the Islamic state after the death of the Holy Prophet Hazrat Muhammad ﷺhas been made a part of the research. It has been concluded from the research that after the death of the Holy Prophet Hazrat Muhammad ﷺ, Hazrat Abu Bakr Siddique R.A took practical steps to keep the anxious people steadfast, he ended various dangerous temptations which his intelligence, insights and bravery, and by

CC BY

playing a leadership role, he gave stability to the Islamic state and gave new life to Islam.

Key Words: Hazrat Abu Bakr Siddique R.A, Islamic State, Stability

تمہید

کسی بھی قوم وملک کے لیے بحیثیت قائد وحاکم کے فرائض کی انجام دہی ایک بہت اہم ذمہ داری ہے اوراس ذمہ داری کی انجام دہی ایک بہت بڑا چیلنج ہوتا ہے۔ ریاست پر مشکل وقت آنے پر اسے مشکل سے نکالنا اور کامیابی کی راہ پر گامزن کرنے میں قوم کے قائد وحاکم کا بڑا اہم کردار ہے۔ جس کے لیے قائد میں بہادری، بصیرت اور قوتِ فیصلہ کی صفات سے مزین ہونا ضروری ہوتا ہے اور کسی بھی نظام(system) (کے نفاذ لیے ایک بہترین قیادت کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ وہ نظام کامیابی کی راہ پر گامزن ہو۔ حقیقت میں قائد وہ رہنما ہوتا ہے جو ہر حال میں اپنی قوم کی اصلاح وبہتری کی کوشش میں لگا رہتا ہے۔ وہ نہ صرف قوم کی مشکلات و مسائل سے واقفیت رکھتا ہے بلکہ ان حل جات (solution's) کے لیے اس کے پاس ایک مکمل قانون اور طریقہ کار بھی ہوتا ہے۔ رسول اکرم ﷺ کے وصال کے بعد مسلمانوں کو مایوسی کی کیفیت اور شدت غم سے باہر نکالنے، رسول اللہ ﷺ کے مشن پر گامزن رکھنے اور مسلمانوں کی رہنمائی کے لیے ایک قائد کی شدت سے ضرورت محسوس ہوئی اس موقع پر حضرت ابو بکر صدیقؓ آگے بڑھے اور مسلمانوں کے معاملات کے حل کا بیڑا اٹھایا۔ آپؓ مسلمانوں کے پہلے خلیفہ مقرر ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد حالات بہت ناساز گار تھے، مختلف فتنے سر اٹھانے لگے، جھوٹے مدعیان نبوت کے دعوے دار اٹھ کھڑے ہوئے اور مرتدین نے بغاوت کا اعلان کر دیا، منکرین زکوٰۃ اوراندرونی وبیرونی خطرات کا سامنا تھا۔ ان حالات میں حضرت ابو بکر صدیقؓ کے لیے دین اسلام اوراسلامی ریاست کے استحکام کے لیے بحیثیت قائد اور سربراہ مملکت ایک بہت بڑا چیلنج تھا۔ پیش نظر ریسرچ پیپر میں حضور اکرم ﷺ کی وفات کے بعد مشکل حالات اور فتنوں کے خاتمے کے لیے حضرت ابو بکر صدیقؓ کے قائدانہ کردار کو زیر بحث لایا گیا ہے۔

حضرت ابو بکر صدیقؓ کا مختصر تعارف

خلیفہ اول امیر المؤمنین حضرت ابو بکرؓ کا سلسلہ نسب اس طرح ہے: عبداللہ بن عثمان بن عامر بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن مرہ بن کعب۔ آپؓ کا سلسلہ نسب حضور اکرم ﷺ سے مرہ بن کعب پر جا ملتا ہے۔ آپؓ کی کنیت ابو بکر ہے اور ابو قحافہ آپؓ کے والد حضرت عثمان کی کنیت ہے۔[1] حضرت ابو بکرؓ دولقب عتیق اور صدیق سے مشہور ہیں۔ اسلام میں سب سے اول حضرت ابو بکرؓ کو عتیق کے لقب سے نوازا گیا۔[2] حضرت ابو بکر صدیقؓ رسول اکرم ﷺ کی بعثت کے دو سال اور چند مہینے بعد عام الفیل کے سال میں مکہ شہر میں پیدا ہوئے۔ پیشے کے لحاظ سے آپؓ تاجر(Businessman) تھے، بہت مالدار، صاحب مروت، خوش اخلاق اور عزت و مرتبہ کے مالک تھے۔ دورِ جاہلیت میں آپؓ کا شمار سرداران قریش میں ہوتا تھا اور مختلف سرداران قریش آپؓ سے مختلف معاملات میں مشاورت کیا کرتے تھے، آپؓ ان کے معاملات کو حل فرماتے۔ رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانے کے بعد اپنی حیات کو دین اسلام کے لیے موقوف کر دیا۔[3] آپؓ کی وفات ۲۲ جمادی الثانی ۱۳ ہجری بروز منگل ہوئی، تریسٹھ برس کی عمر پائی۔ آپؓ کا دور خلافت دو سال تین ماہ اور چند دن رہا۔[4] رسول اللہ ﷺ کے وصال کی غم زدہ گھڑیوں میں حضرت ابو بکر صدیقؓ کا کردار حضور اکرم ﷺ کے وصال کا سانحہ صحابہ کرامؓ کے لیے ایک بہت بڑا سانحہ تھا اور شدتِ غم سے ان کے ہوش وحواس ان کا ساتھ نہیں دے رہے تھے۔ ابن خلدون لکھتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ کے وصال کے بعد رسول اللہ ﷺ کے جان نثار ساتھی پریشانی و غم میں مبتلا ہوگئے، اس سانحہ کی جو فرد بھی خبر سنتا افسردہ و پریشان

ہو جاتا اور ان کے ہوش و حواس جاتے رہتے۔ حضور اکرم ﷺ کے گھر اور مسجد نبوی کے احاطے میں جتنے افراد موجود تھے وہ سب غم سے بے حال تھے۔ حضرت عمر فاروقؓ اور بہت سے جلیل المرتبت صحابہ کرامؓ بھی اس موقع پر موجود تھے، حضرت عمرؓ اس سانحہ سے نڈھال ہو گئے تھے، ان کے ہوش و حواس اور اعصاب اپنے کنٹرول سے باہر ہو گئے، تلوار ہاتھ میں لے کر اٹھ کھڑے ہوئے اور تیز آواز کے ساتھ بولنے لگے: "کچھ لوگ یہ سوچ رہے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ جاں بحق ہو گئے ہیں جب کہ آپ ﷺ جاں بحق نہیں ہوئے بلکہ آپ ﷺ اپنے رب سے ملاقات کے لیے تشریف لے گئے ہیں جس طرح موسیٰ علیہ السلام اپنے رب کے پاس تشریف لے گئے تھے، اور واپس لوٹ کر ان افراد کے ہاتھ پاؤں کاٹیں گے۔" حضرت عمرؓ جوش و جذبے کی حالت میں یہ بولے جا رہے تھے اور کسی کی ہمت نہ تھی کہ کوئی فرد ان سے یہ کہتا کہ اپنی تلوار رکھ دو نبی اکرم ﷺ وصال فرما گئے ہیں۔ حضرت عثمان غنیؓ سکتہ کے حالت میں ایک دیوار کے سہارے بیٹھے تھے اور نہ کسی سے بات چیت فرماتے اور نہ ہی کسی شخص کی بات کا جواب دیتے، حضرت علیؓ کی یہ حالت تھی کہ رو، رو کر بے ہوش ہو گئے، حضرت عباسؓ حیرانی و پریشانی کی حالت میں اِدھر سے اُدھر چکر لگا رہے تھے۔[5] حضرت انسؓ فرماتے ہیں: "لَمَّا كَانَ الْيَوْمُ الَّذِي دَخَلَ فِيهِ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِينَةَ أَضَاءَ مِنْهَا كُلُّ شَيْءٍ فَلَمَّا كَانَ الْيَوْمُ الَّذِي مَاتَ فِيهِ أَظْلَمَ مِنْهَا كُلُّ شَيْءٍ"[6] "جس روز رسول اللہ ﷺ مدینہ میں تشریف فرما ہوئے، اس روز آپ ﷺ کی تشریف آوری کی وجہ سے ہر اک شے منور ہو گئی۔ جب وہ یوم آیا جس روز آپ ﷺ نے وصال فرمایا تو ہر اک شے پر تاریکی چھا گئی۔" ابنِ اسحاق (م 150ھ) بیان کرتے ہیں کہ جس دن رسول اللہ ﷺ نے وصال فرمایا تو مسلمانوں کا غم اور دکھ بڑی تکلیف دہ صورت اختیار کرتا چلا گیا۔ آپ بیان کرتے ہیں کہ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کے توسط سے بیان کردہ ایک بات مجھ تک پہنچی ہے کہ آپؓ فرماتی ہیں: "جب حضور اکرم ﷺ نے وصال فرمایا تو عرب مرتد ہونے لگے، عیسائی اور یہودی اٹھ کھڑے ہوئے، منافقت کھل کر سامنے آگئی اور اہل اسلام اپنے محبوب نبی ﷺ کے فراق میں سرد رات میں بارش میں بھیگی ہوئی بکری کی طرح ہو گئے۔"[7]

حضور اکرم ﷺ کے وصال کے بعد شدت سے ضرورت محسوس ہوئی کہ ایسے وقت میں کوئی فرد قائدانہ کردار ادا کر کے مسلمانوں کو اس غم کی کیفیت سے نکال کر جس مقصد کے لیے اللہ تعالیٰ نے رسول اکرم ﷺ کو مبعوث فرمایا اس کے حصول کے لیے ان کی رہنمائی کر سکے تاکہ حق کا پرچار ہو اور اسلام کا پرچم قیامت تک سربلند رہے اور مملکت اسلامیہ کو استحکام حاصل ہو۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ اپنے گھر علاقہ "سنح" میں تھے جب آپؓ کو نبی اکرم ﷺ کے وصال کی اطلاع ملی۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ روایت فرماتی ہیں: "حضرت ابو بکر صدیقؓ اپنی رہائش گاہ "سنح" سے فوراً گھوڑے پر آئے اور اترتے ہی کسی سے بات کئے بغیر مسجد نبوی میں تشریف لے گئے۔ بعد از حجرہ رسول اللہ ﷺ میں آئے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب گئے، جسم اطہر یمنی چادر سے ڈھانپا گیا تھا۔ آپؓ نے چہرہ مبارک سے چادر ہٹائی اور جھک کر چہرے کو اپنے لبوں سے چوما اور پھر آپؓ رونے لگے، فرمایا میرے والدین آپ ﷺ پر قربان جائیں، واللہ! اللہ عزوجل آپ ﷺ پر دوسری مرتبہ موت طاری نہیں فرمائے گا۔ جو موت آپ کے مقدر میں لکھی تھی، وہ آپ ﷺ پر طاری ہو چکی ہے"[8] حضرت ابو بکر صدیقؓ رسول اللہ ﷺ کے حجرہ شریفہ سے باہر تشریف لائے۔ حضرت عمرؓ اس وقت بھی لوگوں سے بات چیت میں محو تھے۔ صدیق اکبرؓ نے فرمایا: اے عمر! بیٹھ جایئے! لیکن حضرت عمرؓ نے جوش و جذبے میں اپنی بات چیت جاری رکھی۔ حضرت ابو سلمہؓ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا: "أَبَا بَكْرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ خَرَجَ وَعُمَرُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ يُكَلِّمُ النَّاسَ فَقَالَ اجْلِسْ فَأَبَى فَقَالَ اجْلِسْ فَأَبَى فَتَشَهَّدَ أَبُو بَكْرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ فَمَالَ إِلَيْهِ النَّاسُ وَتَرَكُوا عُمَرَ"[9] "حضرت

ابو بکر صدیقؓ جب حضرت عائشہ صدیقہؓ کے حجرے سے باہر آئے تو حضرت عمر فاروقؓ لوگوں سے محو گفتگو تھے۔ صدیق اکبرؓ نے فرمایا کہ عمر بیٹھ جایئے، مگر حضرت عمر فاروقؓ نے گفتگو جاری رکھی، آپؓ نے عمرؓ کو دوسری مرتبہ بیٹھ جانے کے لیے کہا، مگر عمرؓ نہیں بیٹھے اور بات چیت جاری رکھی۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے کلمۂ شہادت پڑھا تو لوگ ابو بکرؓ کی جانب متوجہ ہو گئے اور حضرت عمر فاروقؓ کی جانب سے توجہ ہٹالی "حضرت ابو بکر صدیقؓ کھڑے ہو کر خطبہ ارشاد فرمانے لگے: آپؓ نے اللہ عزوجل کی حمد و ثنا بیان فرمائی اور بعد از فرمایا: "امابعد! جان لو کہ تم میں سے جو فرد حضرت محمد ﷺ کی عبادت کرتا تھا تو محمد ﷺ وصال فرما چکے ہیں اور جو شخص اللہ عزوجل کی عبادت کرتا ہے تو یقیناً اللہ عزوجل زندہ ہے، اسے کبھی موت نہیں آئے گی۔" پھر آپؓ نے قرآنِ مجید کی یہ آیت تلاوت فرمائی: "وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۭ اَفَاۡىِٕنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ ۭ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰي عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَـيْـــًٔـا ۭ وَسَيَجْزِي اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ[10]" "اور محمد (ﷺ) ایک رسول ہی ہیں، ان سے قبل بھی کئی رسول گزر چکے ہیں تو کیا اگر وہ انتقال کر جائیں یا شہید کر دیے جائیں تو تم الٹے پاؤں پلٹ جاؤ گے، اور جو الٹے پاؤں پھرے گا وہ اللہ (عزوجل) کا کچھ نقصان نہ کرے گا اور جلد ہی اللہ (عزوجل) شکر ادا کرنے والوں کو جزا عطا فرمائے گا۔" ابنِ عباسؓ بیان کرتے ہیں، اللہ کی قسم! اس طرح کا احساس ہوا کہ جیسے اس سے قبل لوگوں کو پتہ ہی نہ تھا کہ اللہ عزوجل نے قرآن کی یہ آیت نازل فرمائی ہے، جب حضرت ابو بکر صدیقؓ نے اس آیت مبارکہ کی تلاوت فرمائی تو سب لوگوں نے ان سے یہ آیت سیکھی۔ اب یہ صورت حال تھی کہ جو بھی سماعت کرتا، وہ اس آیت کی تلاوت کرنے لگ جاتا تھا۔ حضرت عمر فاروقؓ فرماتے ہیں کہ جیسے ہی میں نے حضرت ابو بکر صدیقؓ سے اس آیت کو سماعت کیا، میرے قدموں کو میرا وزن اٹھانے کی طاقت نہیں رہی، میں زمین پر ڈھیر ہو گیا اور مجھے یقین ہو گیا کہ حقیقت میں رسول اکرم ﷺ وصال فرما گئے ہیں۔[11] امام القرطبی (م 1273ء) تحریر کرتے ہیں، یہ آیت مبارکہ سیدنا حضرت ابو بکرؓ کی جرأت و بہادری، ثابت قدمی اور قائدانہ خصوصیات کی واضح دلیل ہے، جرأت و بہادری کی تعریف بھی یہی ہے کہ مصیبتوں کے آجانے پر انسان پُرسکون اور اطمینان کی حالت میں رہے، بے چین نہ ہو اور اس کے اعصاب واوسان اس کے قابو میں رہیں۔ کوئی بھی مصیبت و پریشانی رسول اکرم ﷺ کے وصال فرما جانے سے بڑھ کر نہیں ہو سکتی، لہذا ان حالات کا جس طرح آپؓ نے سامنا کیا اس سے آپؓ کی جرأت و بہادری اور بصیرت کے ساتھ ساتھ قائدانہ صلاحیت کا اظہار ہوا۔[12] حضرت محمد ﷺ کا وصال بہت ہی غم زدہ مصیبت اور آزمائش تھی۔ اس سانحہ کے دوران اور اس کے بعد حضرت ابو بکر صدیقؓ کی شخصیت امت اسلامیہ کے ایسے منفرد قائد کی حیثیت سے ابھری جس کی کوئی مثال نہیں ملتی۔[13] ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ روایت فرماتی ہیں کہ رسول اکرم ﷺ کے وصال فرمانے کے بعد منافقت نے اپنا سر اٹھایا، کچھ قبائل مرتد ہو گئے، انصاری اپنے مراکز سے دور ہو گئے، اس موقع پر مستحکم پہاڑ بھی اگر میرے والدِ گرامی پر آ گرتے تو وہ ان کو بھی ٹکڑے ٹکڑے کر دیتے۔ وہ اگر کسی معاملے پر مخالفت کرتے تو میرے محترم والد گرامی اپنے فہم و فراست کے تحت ان معاملات کے کرنے یا نہ کرنے کا حل فرما دیتے، جیسا کہ رسول اکرم ﷺ کے پاکیزہ جسم مبارک کی تدفین کا معاملہ سامنے آیا، صحابہ کرام سوال کرنے لگے کہ آپ ﷺ کی تدفین کہاں کی جائے۔ ہم تمام لوگوں میں سے کسی کے پاس اس کا کوئی حل نہ تھا۔ اس موقع پر میرے والد گرامی نے فرمایا کہ میں نے رسول اکرم ﷺ سے یہ سماعت فرمایا ہے کہ جو نبی وصال فرما جاتا ہے اس کی تدفین اسی جگہ پر ہوتی ہے جہاں اس نے وصال فرمایا ہو۔ ایسے ہی اصحاب کرام نے رسول اللہ ﷺ کی میراث کے بارے میں اختلاف کیا، انھوں نے اس معاملے کا حل بھی کسی کے پاس نہ پایا۔ میرے والد محترم نے فرمایا کہ میں نے رسول اکرم ﷺ سے سماعت کیا تھا کہ ہم گروہ انبیاء ہیں، ہم کسی کو اپنا وارث نہیں بناتے جو چھوڑ کر جائیں وہ صدقہ ہے۔[14] حضرت ابو بکر صدیقؓ نے

اس درپیش مسئلہ کو حل فرمایا۔ علامہ ابن زنجویہ (م 258ھ) فرماتے ہیں: یہ واحد حدیث ہے جس میں حضرت ابو بکر صدیقؓ مہاجرین اور انصار کے سامنے متفرد ہوئے اور تمام صحابہ کرامؓ نے اسے قبول کیا۔[15]

لشکر اسامہ بن زیدؓ کی روانگی

حضور اکرم ﷺ کے وصال کے بعد بغاوت پھیل گئی اور اس بغاوت کے جو اثرات سامنے نظر آرہے تھے حضرت ابو بکر صدیقؓ اس سے بخوبی واقف تھے۔ اس صورت حال میں سب سے پہلے اہم مسئلہ یہ تھا کہ مختلف اقسام کے اٹھنے والے فتنوں کو پہلے قابو کرنے کی سعی کی جائے یا اسلام و نصرانیوں کے درمیان اختلافات اور یہودیوں کے فتنہ انگیزیوں کی وجہ سے پیدا ہونے والے خطروں اور اسلامی ریاست کی سرحدوں کو محفوظ بنانے کے لیے رسول اکرم ﷺ نے حضرت اسامہ بن زیدؓ کی سالاری میں جو لشکر روانہ فرمایا تھا اسے دوبارہ سے روانہ کر دیا جائے۔ حقیقت میں یہ ایک نہایت پیچیدہ مسئلہ تھا کہ چاروں طرف اسلامی سرحدوں پر خطروں نے ڈیرے ڈال رکھے تھے، ان حالات میں صدیق اکبرؓ نے بہت سوچ و بچار کے بعد اسامہ بن زیدؓ کے لشکر کو روانہ کرنے کا حکم صادر فرمایا۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ کا یہ حکم اسلامی سلطنت اور مسلمانوں کے پہلے خلیفہ کی حیثیت سے پہلا اسلامی جنگی حکم تھا۔[16] رسول اکرم ﷺ نے گیارہ (۱۱) ہجری میں حضرت اسامہ بن زیدؓ کی سالاری میں رومیوں سے مقابلہ کے لیے ایک لشکر روانہ فرمایا۔ ابن حجر عسقلانی (م 773ھ) تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت اسامہ بن زیدؓ کے لشکر کی روانگی کے سلسلہ میں تیاری رسول اکرم ﷺ کے وصال سے دو یوم پہلے ہوئی تھی، اور اس لشکر کی تشکیل رسول اللہ ﷺ کے علیل ہونے سے قبل ہی ہو چکی تھی، لہٰذا صحابہ کرامؓ صفر کے مہینے کے آخری دنوں میں رومیوں کے خلاف مقابلے کے لیے جمع ہونا شروع ہو گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت اسامہ بن زیدؓ کو طلب کیا اور فرمایا: "اپنے والد کی جائے شہادت کی طرف جاؤ اور ان کافروں کو اپنے گھوڑوں کے سموں تلے روند ڈالو۔ میں نے تمھیں اس لشکر کا قائد مقرر کر دیا ہے۔"[17] رسول اللہ ﷺ نے اپنی حیات طیبہ میں ہی حضرت اسامہؓ کی سرکردگی میں ایک لشکر روانہ فرمایا تھا۔ لشکر ابھی راستے ہی میں تھا کہ رسول اکرم ﷺ وصال فرما گئے۔ رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد حضرت ابو بکر صدیقؓ منصب خلافت پر فائز ہوئے تو کچھ صحابہ کرامؓ نے تجویز دی کہ اسامہ بن زیدؓ کے لشکر کو مدینہ میں واپس آنے کا حکم دے دیں اس لیے کہ مدینہ منورہ میں ان کی زیادہ ضرورت ہے، ایک جانب تو زکوٰۃ کے انکاری والا گروہ تھا تو دوسری جانب جماعتِ مرتدین تھی۔ چناں چہ ان حالات میں ریاست کے اندر خانہ جنگی کے خطرات بہت زیادہ بڑھ گئے تھے۔ ان وجوہات کی بنا پر صحابہ کرامؓ کے ایک گروہ کی سوچ یہ تھی کہ اسلامی ریاست کو اس صورتِ حال میں بیرونی محاذ کھولنے کے بجائے اندرونی استحکام پر بھرپور توجہ مرکوز کرنی چاہیے۔[18] ابو ہریرہؓ روایت فرماتے ہیں: اس ذات کی قسم جس کے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں، حضرت ابو بکر صدیقؓ کا انتخاب اگر بحیثیت خلیفہ نہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ کی عبادت میں خلل واقع ہو جاتا۔ ابو ہریرہؓ نے اس بات کو دو مرتبہ ارشاد فرمایا، تیسری مرتبہ جب آپؓ نے یہی بات دہرائی تو کسی نے کہا: ابو ہریرہ! رک جایئے۔ ابو ہریرہؓ نے ارشاد فرمایا: رسول اکرم ﷺ نے حضرت اسامہؓ کے لشکر کو جس میں سات سو مجاہدین شامل تھے شام کے ملک پر جہاد کے لیے روانہ فرمایا تھا، وہ اسلامی لشکر جب "ذی خشب" پر رکا تو مدینہ منورہ میں رسول اکرم ﷺ وصال فرما گئے، مدینہ منورہ کے آس پاس کے باشندے دین اسلام سے منحرف ہونے لگے۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ کے قریب جو لوگ موجود تھے وہ کہنے لگے: اسامہؓ کے لشکر کو روم نہ جانے دیا جائے کیوں کہ مدینہ منورہ کے آس پاس کے جو قبائل عرب ہیں وہ مرتد ہو رہے ہیں۔[19] حضرت ابو بکرؓ نے ان لوگوں کی اس تجویز کو ناقابل قبول قرار دیتے ہوئے فرمایا کہ آپ تمام افراد رسول اکرم ﷺ کے مرتب کئے ہوئے اس جہادی پروگرام کو ملتوی کرنے کا مشورہ نہ دیں اور اس خیال کو اپنے دل سے باہر نکال دیں۔ صدیق اکبرؓ نے فرمایا کہ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ

میں میری جان ہے! مجھے اگر اس بات کا یقین ہو جائے کہ درندے مجھے اٹھا کر لے جائیں گے تو پھر بھی میں اسامہ بن زیدؓ کا جنگی لشکر لازمی روانہ کروں گا جس طرح رسول اکرم ﷺ نے اس لشکر کے روانہ ہونے کا حکم صادر فرمایا تھا، میں اگر مدینۃ النبی ﷺ میں تنہا بھی رہ جاؤں تب بھی میں لشکرِ اسامہؓ کو روانہ کر کے دم لوں گا۔"[20] لہٰذا اسی استقامت کی بدولت جب لشکرِ حضرت اسامہؓ ان قبیلوں کے علاقے سے گزرتا جو اسلام سے منحرف ہونے کا عزم کر رہے تھے تو ان قبائل کے عرب باشندے کہتے کہ ان کے پاس اگر طاقت اور جمعیت نہیں ہوتی تو مجاہدین اسلام کا یہ لشکر ایسے مشکل وقت میں نہیں نکلتا، اس لیے ہم منحرفِ اسلام ہونے کو فی الوقت ملتوی رکھتے ہیں جب تک مجاہدینِ اسلام کا دشمنوں سے مقابلہ نہ ہو جائے۔ چناں چہ پھر مسلمانوں کا لشکر رومیوں سے ٹکرایا اور ان کو شکست فاش دی ادھر یہ خبر سن کر مرتد ہونے کا ارادہ کرنے والے بھی باز آ گئے اور دین پر ثابت قدم ہو گئے۔[21] حضرت ابو بکر صدیقؓ خلیفہ بنے تو انھوں نے رسول اللہ ﷺ کی وفات کے تیسرے دن یہ منادی کرا دی: "خبردار! لشکر اسامہ کا کوئی فوجی آج رات مدینہ منورہ میں نہ گزارے بلکہ وہ جرف پہنچ کر اپنے معسکر میں حاضر ہو جائے۔"[22] رسول اللہ ﷺ کے وصال اور سلطنتِ روم پر لشکرِ اسامہؓ کے حملے کی دونوں خبریں بادشاہِ روم ہرقل کو بیک وقت ملیں تو اہلِ روم کہنے لگے کہ اہلِ ایمان کو کیا ہو گیا ہے کہ تازہ تازہ ان کے پیغمبر کا وصال ہوا ہے اور یہ ہمارے ملک پر حملہ کرنے آ رہے ہیں۔"[23] لشکرِ حضرت اسامہ بن زیدؓ کی روانگی کے سلسلہ میں سیدنا حضرت ابو بکر صدیقؓ کا فیصلہ ہی صحیح تھا، حالاں کہ دیگر مسلمانوں کی تجویز اس کے برعکس تھی۔ چوں کہ لشکرِ اسامہ بن زیدؓ کی روانگی کے حوالے سے اللہ کے رسول ﷺ کا حکم تھا اور اس پر عمل کرنا بھی ضروری تھا، سیدنا حضرت ابو بکر صدیقؓ کے اس فیصلے نے آنے والے ایام میں آپؓ کے صائبِ رائے ہونے کی شہادت دی۔[24] عباس محمود (م 1964ء) بیان کرتے ہیں کہ حضرت اسامہؓ کے اس لشکر نے اپنی اچھی شہرت سے وہ کام کر دکھایا جو وہ اپنی قوت اور تعداد سے انجام نہیں دے سکا تھا۔ اس لشکر نے مرتدین کے بڑھتے ہوئے قدم روک دیے۔ دشمنوں کے جمع ہونے والے لشکروں کو منتشر کر دیا اور جو لوگ مسلمانوں پر حملہ کے منصوبے بنا رہے تھے وہ صلح کے معاہدے کرتے نظر آئے، یوں تلواروں کے بے نیام ہونے سے پہلے ہی مسلمانوں کے رعب و دبدبہ نے اپنا کام کر دکھایا۔[25] لشکر اسلام کی روانگی مسلمانوں کے مفاد میں بہت اہم ثابت ہوئی۔ عرب کہنے لگے اگر مسلمانوں میں قوت نہ ہوتی تو وہ اس لشکر کو روانہ نہ کرتے۔ اس طرح انھوں نے مسلمانوں کے خلاف جو منصوبہ بندی کر رکھی تھی اس سے وہ باز آ گئے۔[26] علی العتوم لکھتے ہیں: واقعی اس لشکر کو بھیجنے کی حکمت عملی مسلمانوں کے لیے بہت بڑی کامیابی تھی کیوں کہ اس سے شمالی علاقوں میں مرتدین کا محاذ انتہائی کمزور ہو گیا، یہ تمام واقعات و حالات ثابت کرتے ہیں کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ مرد بحران تھے، وہ سنگین بحرانوں میں سب سے زیادہ گہری بصیرت اور فہم و فراست کے حامل ہونے کے باعث سرخرو رہے۔[27] اکبر نجیب آبادی (م 1938ء) تحریر کرتے ہیں کہ لشکرِ اسامہ بن زیدؓ کو روانہ کرنا ظاہری طور پر بہت خطرناک نظر آ رہا تھا، لیکن جب اس کے نتائج سامنے آئے تو اہلِ اسلام اور اسلامی ریاست کو بہت زیادہ فوائد حاصل ہوئے۔ ریاست میں سازش، بغاوت اور انتشار جیسے حالات میں مجاہدینِ اسلام کا اہلِ روم پر حملہ کرنا دراصل تمام بغاوت کرنے والوں اور منحرفِ اسلام کو باور کرانا تھا کہ اہلِ ایمان تم لوگوں کی ان تمام حرکات کو قطعاً اہمیت نہیں دیتے، مسلمانوں کی اس بے باکی و بہادری کے عملی اقدام نے مرتدین اور بغاوت کے لیے سر اٹھانے والوں کو تفکر و تردد میں ڈال کر ان کے حوصلوں کو زیر کر دیا اور مسلمانوں پر حملہ آور ہونے کے بجائے وہ اس سوچ و بچار میں پڑ گئے کہ اہلِ ایمان پر غالب آیا جا سکتا ہے یا نہیں۔ اسی وجہ سے مسیلمہ کذاب، طلیحہ اسدی و دیگر اپنی اپنی سرحدوں سے باہر نہ آ سکے، زکوٰۃ کے منکرین اور وہ قبائل جو سرکشی پر آمادہ تھے مکمل طور پر مسلمانوں کی مخالفت کا فیصلہ نہیں کر سکے۔ حضرت اسامہ بن زیدؓ کے لشکر کا رومی فوج کو شکست دینا اور مجاہدین کی اس فتح کی خوش خبری کا ریاست میں

تشہیر پا جانا مزید فائدہ مند ٹھہرا، اس کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کو مالِ غنیمت بھی حاصل ہوا جو کہ باغیوں کی سرکشی، فوجی تیاریوں اور ریاست میں عوامی فلاح و بہبود میں معاون و مددگار بنا۔[28]

فتنۂ ارتداد کا خاتمہ

امام نووی (م 1278ء) لکھتے ہیں کہ نیت یا کفر کا قول یا کفر کے فعل سے انکارِ اسلام کرنا ارتداد کہلائے گا، بھلے کسی نے اس قسم کی بات مذاقاً، دشمنی کے لحاظ سے یا پھر اعتقاداً کی ہو۔ چناں چہ جو کوئی فرد اللہ کو جو کائنات کا خالق ومالک ہے تسلیم کرنے سے انکار کرتا ہے یا اللہ کے رسول کا انکار کرتا ہے یا کسی اللہ کے رسول کو جھٹلاتا ہے یا شریعت نے جس چیز کو حرام قرار دیا ہے اسے حلال قرار دیتا ہے یا کسی حلال شے کو حرام ٹھہراتا ہے یا کسی واجب شے کا انکار کرتا ہے یا کسی شے کو اپنی جانب سے واجب بناتا ہے یا کفر کا ارادہ کرتا ہے تو وہ کافر قرار پائے گا۔ امام ابن حزم ظاہری لکھتے ہیں کہ ہر وہ انسان جو مسلم تھا اور اسلام کے سواہر دین سے ناخوش تھا، پھر تصدیق ہوگئی کہ وہ دین اسلام کو چھوڑ کر کسی دوسرے دین کو اختیار کرلیتا ہے تو وہ مرتد کہلائے گا۔[29] صدیق اکبرؓ کے عہدِ خلافت میں ارتداد کی متعدد مختلف قسمیں تھیں۔ ان میں بعض ایسے تھے کہ جنھوں نے مکمل طور پر دینِ اسلام کو چھوڑ کر بت پرستی کی طرف مائل ہوگئے۔ ان میں سے بعض نبوت کے دعویدار بن گئے۔ ان میں سے بعض نے نماز کو چھوڑنے کی ترغیب دی۔ ان میں سے بعض ایسے بھی تھے جو دینِ اسلام پر تو قائم رہے، نماز بھی ادا کرتے، لیکن زکوٰۃ کو ادا کرنے سے انکار کر دیا۔ ان میں سے بعض ایسے تھے کہ جو رسول اللہ ﷺ کے وصال پر خوش ہو رہے تھے، دوبارہ سے انھوں نے جاہلیت کے اطوار اختیار کر لئے۔ ان میں سے بعض اس بات کے منتظر تھے کہ فتح کس جماعت کو حاصل ہوتی ہے تاکہ وہ فاتح جماعت سے اپنا تعلق استوار کرلیں۔[30] ابو ہریرہؓ روایت فرماتے ہیں کہ جب رسول اکرم ﷺ کا وصال ہوا اور حضرت ابو بکر صدیقؓ بعد از وصال رسول اللہ ﷺ خلیفہ منتخب ہوئے تو حضرت عمر فاروقؓ نے صدیق اکبرؓ سے کہا کہ آپؓ ان افراد سے کس طرح جنگ کریں گے حالاں کہ اللہ کے رسول ﷺ کا فرمان ہے کہ "مجھے حکم ملا ہے کہ میں لوگوں سے جنگ کروں یہاں تک کہ وہ لَا اِلٰہ اِلا اللہ کا اقرار کرلیں، پھر جو کوئی لَا اِلٰہ اِلا اللہ کا معترف ہوگیا اس نے میری جانب سے اپنی جان ومال کو حفاظت میں لے لیا، سوائے یہ کہ اس کا حق ہو اور اسکا حساب اللہ پر ہے۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے جواب فرمایا: خدا کی قسم! ان افراد سے میں لڑائی کروں گا جو نماز اور زکوٰۃ میں تفریق کریں گے کیوں کہ مالِ زکوٰۃ حق ہے۔ خدا کی قسم! یہ لوگ اگر (اونٹ کے) پیر باندھنے کی ایک رسی دینے سے بھی انکار کریں گے جو یہ اللہ کے رسول ﷺ کو دیتے تھے تو اس کے نہ دینے پر بھی میں ان سے لڑائی کروں گا۔ اس بات پر حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا تھا: خدا کی قسم! اس بات کے علاوہ اصل بات کچھ اور نہیں کہ میں نے ملاحظہ کیا کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ کا سینہ جنگ کے لیے اللہ نے کھول دیا ہے اور مجھے یقین ہوگیا کہ یہی حق ہے۔"[31] پھر اس کے بعد حضرت عمر فاروقؓ یہ فرمایا کرتے تھے: "واللہ! مرتدین سے جہاد کے معاملے میں صدیق اکبرؓ کی ایمانی قوت تمام امت کے ایمان سے زیادہ قوی، مضبوط اور راجح تھی۔"[32] حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے جب زکوٰۃ کے انکاریوں کے خلاف جہاد کا آغاز فرمایا تو شروع میں ہم نے آپؓ کے اس اقدام کو پسند نہیں کیا لیکن جب اس کے اچھے اور بہترین نتائج دیکھے تو بعد میں ہم آپؓ کی اصابتِ رائے پر داد دینے لگے اور واقعی اگر صدیق اکبرؓ یہ اقدام نہ اٹھاتے تو روزِ قیامت تک لوگ زکوٰۃ کے انکاری ہوجاتے۔[33] حضرت ابو بکر صدیقؓ کا یہ مؤقف حقیقت میں الہامی تھا اور یہی مؤقف دینِ اسلام اور مسلمانوں کی مصلحت تھا، جب کہ اس کے برعکس کوئی بھی مؤقف اختیار کرنے سے مسلمانوں کو ناکامی، خسارے اور پسپائی کا سامنا کرنا پڑتا اور لوگ پھر سے جاہلیت کی طرف واپس لوٹ پڑتے۔ اگر فضلِ الٰہی اور حضرت ابو بکرؓ یہ پرعزم مؤقف اختیار نہ فرماتے جاہلیت اس قدر بڑھ جاتی کہ زمین فساد سے پُر ہو جاتی۔"[34] حضرت ابو بکرؓ اپنے احباب میں سب سے

بڑھ کر صاحب بصیرت تھے۔ وہ اپنے محکم ایمان کی بدولت یہ نکتہ سمجھ گئے کہ زکوٰۃ کا حکم شہادتین کے حکم سے جدا نہیں ہو سکتا، لہٰذا ہر وہ فرد جو اللہ عزوجل کی وحدانیت کو تسلیم اور اس کا اقرار کرے، اس فرد کے لیے لازم و ملزوم ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا مقرر کردہ مالی حق زکوٰۃ بھی ادا کرے کیونکہ مال دراصل اللہ تعالیٰ کا ہے اور زکوٰۃ ادا کیے بغیر لا الہ الا اللہ کا کوئی وزن اور وقعت نہیں۔ زکوٰۃ کی وصولی کے لیے تلوار اٹھانا اسی طرح مشروع ہے جس طرح لا الہ الا اللہ کے دفاع کے لیے تلوار اٹھانا مشروع ہے۔ یہ دونوں فرائض برابر ہیں، یہی عین اسلام ہے، اس کے برعکس رائے اسلام کے خلاف ہے۔"[35]

حضرت ابو بکرؓ کا یہ مؤقف جس میں مفاہمت، سودے بازی یا پسپائی کا کوئی امکان نہ تھا، ایک الہامی مؤقف تھا، فضلِ الٰہی کے بعد اس درست مؤقف ہی کی بدولت دین اسلام کی بقا اور اسے اصلی اور حقیقی حالت میں رکھنے کا اہتمام ہوا، سب لوگ اس بات پر متفق ہیں اور تاریخ بھی شاہد ہے کہ باغی مرتدین کے عزائم اور اسلام کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے کی سازشوں کے خاتمے کے لیے حضرت ابو بکر صدیقؓ کا مؤقف انبیائے کرام اور رسل عظام علیہ السلام کی اقتداء پر مبنی تھا۔ آپؓ نے خلافت کا حق ادا کر دیا۔[36]

مرتدین سے لڑائی میں حضرت ابو بکر صدیقؓ کی شخصیت کے اصلی جوہر خوب کھلے۔ آپؓ امت مسلمہ کے ایک ایسے نڈر لیڈر کی حیثیت سے سامنے آئے جو اپنی قوم کے لیے جان فدا کر دیتا ہے۔ چنانچہ مسلمانوں کے نزدیک خلیفہ اور قائد وہ ہی ہو سکتا ہے جو اپنے اعمال میں ان کے لیے مثالی نمونہ ہو۔ حضرت ابو بکرؓ کے اس اسلوب سیاست کا نتیجہ یہ نکلا کہ مسلمان دشمنوں سے جنگ کے لیے دلیر ہو گئے اور اپنے قائد کے احکام وہدایات کی پوری مستعدی سے تعمیل کرنے لگے۔[37] جب مسلمان مرتدوں کی قوت وشوکت کے پنجے ادھیڑ رہے تھے اس وقت مسلمانوں کی صفت جہاد نمایاں ہوئی، مسلمانوں کی یہ صفت مرتدوں کے خلاف جنگ کے بعد کفر کے خلاف آئندہ برپا ہونے والے معرکوں میں بھی خوب نمایاں ہوئی۔ صحابہ کرامؓ نے اللہ تعالیٰ کے کلمے کی سربلندی اور ایک اللہ کی عبادت کو حق ثابت کرنے کے لیے کفار سے بھرپور جہاد کیا۔ انھوں نے یہ جہادی کاروائیاں اس لیے کیں تاکہ زمین میں اسلامی نظام اور حکم الٰہی نافذ ہو، مرتدوں کی دشمنی کا خاتمہ ہو اور لوگوں کو ظلم سے بچایا جائے، جہاد ہی کی برکت سے مسلمانوں کو عزت وغلبہ نصیب ہوا۔ مرتد ذلیل و رسوا ہوئے اور گمراہ لوگ اللہ کے دین پر لوٹ آئے۔ مسلمانوں نے حضرت ابو بکر صدیقؓ کی قیادت میں جزیرۂ عرب کو ایسا دارالحکومت بنا دیا جو سارے عالم کو فتح کرنے کے لیے ہیڈ کوارٹر بن گیا۔ جزیرہ نمائے عرب ایک ایسے مینارۂ نور کی شکل اختیار کر گیا جس سے اسلام کی روشنی پھوٹ کر دنیا کے کونے کونے میں پہنچ گئی۔ یہ روشنی ان جواں ہمت افراد کی بدولت پھیلی جنھیں زندگی کے کٹھن مراحل نے کندن بنا دیا تھا اور وہ تعلیم وتربیت، جہاد فی سبیل اللہ اور شریعت کو نافذ کرنے کے ماہر ہو گئے تھے۔[38] مرتدوں کے خلاف جہاد دراصل صحابہ کرامؓ کے لیے ربانی تربیت کا اہتمام تھا جو آئندہ اسلامی فتوحات کا باعث بنی۔ کیوں کہ ان جنگوں میں صحابہ کرام کی صلاحیتوں کو جلا ملی، ان کی قوتوں میں نکھار آیا اور انھوں نے میدان جنگ میں حرب وضرب اور قیادت کے اسلوب سیکھے، اسی معرکہ کارزار میں انھیں جنگی چالیں چلنے کا ہنر آیا اور جنگی حکمت عملی سے پلان ترتیب دینے کا فن نصیب ہوا۔ انھی جنگوں سے مسلمانوں کی فوجی مہارت اور پیشہ ورانہ صلاحیتیں نقطۂ عروج پر پہنچیں۔ انھی جنگوں کی بدولت اسلامی مملکت کی ایسی مخلص، وفادار، مطیع اور باصلاحیت فوجیں تیار ہوئیں جنھیں اپنی جنگوں کا مقصد بخوبی معلوم تھا۔ وہ اپنا تن من دھن قربان کرتے تھے تو انھیں خوب معلوم تھا کہ وہ یہ قربانیاں کیوں پیش کر رہے ہیں، اسی لیے ان کے فرائض کی ادائی بے مثال اور نتائج عظیم الشان تھے۔[39] اللہ عزوجل کی مہربانی، عنایتوں اور حضرت ابو بکرؓ کی دلیرانہ قیادت میں صحابہ کرامؓ کی قربانیوں کی بدولت تاریخ میں پہلی مرتبہ جزیرہ نمائے عرب اسلام کے جھنڈے تلے یکسو اور متحد ہو گیا، ان کے چھوٹے موٹے قبائلی سرداروں کا صفایا ہو گیا اور وہ سب اسلامی حکومت کے ماتحت ہو گئے۔ اسلامی مملکت کے دارالمدینہ منورہ نے اپنا اثر ورسوخ جزیرہ نمائے عرب

کے تمام علاقوں پر قائم کرلیااور پوری امت مسلمہ ایک مرکزی قیادت کے ماتحت ہو کر ایک ہی اصول اور نظریے کے تحت شاہراہِ زندگی پر چل پڑی۔ عصبیت اور گروہ بندی کی زنجیریں ٹوٹ گئیں۔وحدت امت کا تصور مستحکم ہو گیا اور اس طرح اسلامی دعوت کو شاندار کامیابی نصیب ہوئی۔ صدیقِ اکبرؓ کے حکومت نے اس بات کی بھی تصدیق کردی کہ وہ صدیق اکبرؓ کی قیادت میں ہر قسم کے چیلنجوں کا بآسانی مقابلہ کرسکتی ہے۔[40] ایک امت کا حقیقی تصور عہد صدیقیؓ ہی کے معاشرے میں نظر آتا ہے۔امت سے مراد صرف یہ نہیں کہ انسانوں کا ایک ایسا جتھا جنھیں رنگ و نسل، زبان اور علاقائی یا باہمی مفادات نے اکھٹا کر دیا ہو۔ یہ وہ روابط ہیں جن کی بنیاد پر جاہلیت میں لوگ اکھٹے ہوا کرتے تھے۔اگر انھی عناصر پر کسی امت کی تشکیل ہوئی ہو تو ایسی امت جاہلی امت کہلائے گی۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک امت سے مراد وہ امت ہے جو رنگ، نسل، زبان اور علاقائی نسبت و مفادات سے بالاتر ہو کر فقط صحیح عقیدے کی بنا پر تشکیل پائے۔ تاریخ انسانی میں ایسی امت صرف اسلامی امت ہی ہے۔روئے زمین پر ان معنوں میں امت کہلانے کا اعزاز طویل ترین عرصے تک صرف امت مسلمہ ہی کو حاصل رہا۔ یہ ایسی امت تھی جو لسانی، علاقائی، خاندانی، رنگ، نسل یا جغرافیائی عصبیتوں سے بالاتر تھی اور یہ صرف عقیدے کی بنا پر قائم تھی، جسکی وجہ سے امیر، وزیر، فقیر، عربی، عجمی، حبشی، رومی اور فارسی سبھی متحد تھے۔ مفتوحہ علاقوں کے باشندوں اور فاتحین کے درمیان مکمل اسلامی اخوت کا رشتہ استوار تھا۔ جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ امت کے اس حقیقی تصور کے ساتھ امت اسلامیہ طویل عرصے تک روئے زمین پر موجود رہی تو ابتدائے اسلام کا عرصہ امت مسلمہ کا وہ سنہرا دور ہے جس میں اسلام کے وہ تمام معنوی کمالات اور صفات جلوہ گر تھیں جن کی انسانی تاریخ میں پیشتر یا مابعد کوئی مثال نہیں ملتی۔[41] حضورِ اکرم ﷺ کے وصال کے بعد عرب غیر یقینی کی کیفیت میں مبتلا ہوگئے، ان مشکل اور پریشان کن حالات میں حضرت ابو بکر صدیقؓ نے اپنی مثبت سوچ اور حاضر دماغی سے ان تمام معاملات کا حل نکالا۔ وصالِ رسول اکرم ﷺ کی خبر سن کر بہت سے لوگ اسلام سے منحرف ہونے لگے اور جزیرہ عرب میں مرتدین کا معاملہ سنگین تر صورت اختیار کر گیا، متعدد دجالوں نے نبوت کا دعویٰ کر کے مسلمانوں کے خلاف فوجیں جمع کرنا شروع کر دیں ۔ بعض قبائل تو اسلام سے خارج ہوگئے، بعض زکوٰۃ کے انکاری ہوگئے، اور بعض نے اسلام کے رکن نماز کو ترک کر دیا، کسی نے محرمات کو مباح قرار دے دیا اور بہت سے قبائل نے مدینہ کی سرپرستی قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ اگر حضرت ابو بکرؓ قوت، عزمیت اور بہادری کا مظاہرہ نہ کرتے تو مرتدین غالب آجاتے اور وہ جس طرح چاہتے اسلام کے خلاف فیصلے کرتے، مرتدین کے معاملے نے ظاہری طور پر جلیل القدر صحابہ کرامؓ کو جھنجوڑ کر رکھ دیا اس نازک ترین حالات میں حضرت ابو بکرؓ ثابت قدم اور پہاڑ کی طرح جمے رہے، انھوں نے لشکروں کو روانہ کر کے اور عرب کے تمام علاقوں میں حکمران مقرر کر کے اپنی استقامت و استقلال کا مظاہرہ کیا، اس طریقے سے صدیقِ اکبرؓ نے ایک برس سے بھی کم وقت میں مرتدین کی سازشیں ناکام بنا کر انھیں ذلت آمیز شکست سے دوچار کر کے ملک میں امن و امان اور استحکام قائم کر دیا۔ صدیقِ اکبرؓ نے اسی پر ہی بس نہ کی اور عراق و شام کی طرف لشکر روانہ کئے اور ایران و روم کو شکست دی اور ان سے عرب علاقے فتح کر کے ریاستِ اسلامیہ میں شامل کر دیئے۔ اس طرح مسلمانوں کی فتوحات کا سلسلہ جزیرہ عرب تک پھیل گیا۔ یہ سب کچھ آپؓ کی خلافت کے دو سال اور کچھ مہینوں پر محیط مدت میں ہوا۔ بلاشبہ ان عظیم کارناموں کی بنسبت یہ مدت بہت ہی کم ہے۔ صدیقِ اکبرؓ کی ان حکمتِ عملیوں کی بدولت آپؓ کے دورِ خلافت کے بعد کے آنے والے حکمرانوں کے لیے فتوحاتِ اسلامیہ کی راہ ہموار ہوئی اور ان تمام مشکلات کا تدارک کرنے میں رسول اللہ ﷺ کی اپنے بعد حضرت ابو بکر صدیقؓ کو اپنی جانشینی عطا فرمانے کی حکمت ظاہر ہوئی۔[42]

نتائج

جب رسول اللہ ﷺ نے وصال فرمایا تو لوگ مضطرب ہو گئے اس موقع پر حضرت ابو بکر صدیقؓ کی شخصیت امت اسلامیہ کے منفرد قائد کی حیثیت سے سامنے آئی جنھوں نے عملی اقدامات کے ذریعے امت کو ثابت قدم رکھا۔ صدیق اکبرؓ خلافت کے منصب پر فائز ہوتے ہی پیچیدہ اور گھمبیر مسائل میں گھِر گئے آپؓ نے ان تمام مشکلات ومسائل کے تدارک اوران سے نبرد آزما ہونے اوراحسن طریقے سے معاملات کو سلجھانے کے لیے اپنی دینی اور دنیاوی بصیرت اور فہم وفراست کا بہترین استعمال فرما کر شجرِ اسلام کو مزید قوت بخشی۔ آپؓ مسلمانوں کے عظیم قائد کے طور پر ابھرے۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے اپنے دورِ خلافت میں سب سے پہلا امر یہ فرمایا کہ لشکرِ اسامہ بن زیدؓ کو رومی سرحدوں پر روانہ فرمایا جس کا اثر یہ ہوا کہ منافقین کے حوصلے پست ہو گئے اوران کا محاذ کمزور پڑ گیا جو یہ خیال کر رہے تھے کہ رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد اسلام مٹ جائے گا اور ماضی کا ایک قصہ بن جائے گا، روانگیٔ لشکر سے مسلمانوں کا رعب ودبدبہ مخالفینِ اسلام پر چھا گیا اور مسلمانوں کی شان وشوکت میں مزید اضافہ ہو گیا۔ زکوٰۃ کے انکاریوں کے خلاف صدیقِ اکبرؓ کا جہاد بہت ضروری اوراہم تھا، آپؓ اس کا سدباب نہ فرماتے تو روزِ قیامت تک زکوٰۃ کی وصولی ممکن نہ رہتی اور زکوٰۃ کے فائدوں سے مسلم امہ محروم رہ جاتی اور غریب مسلمانوں کی فلاح وبہبود کا جذبہ ختم ہو جاتا۔ مرتدوں سے متعلق صدیقِ اکبرؓ کا مؤقف درست تھا جس میں کوئی لین دین، جھکاؤ یا سمجھوتا نہیں تھا، اسلام کو ملاوٹ سے پاک اوراپنی صحیح حالت میں قائم رکھنے میں اللہ تعالیٰ کی مدد ونصرت اور مہربانی کے بعد اس کا سہرا حضرت ابو بکر صدیقؓ کے سر جاتا ہے۔ حضرت ابو بکرؓ مرتدوں کی سرکش تحریک کے سامنے ڈٹے رہے، انھوں نے اسلام کی گرہیں ایک ایک کر کے کھولنے والوں کو منہ توڑ جواب دیا، ان کا یہ کردار انبیاء کرام علیہ السلام جیسا ہی تھا جو انھوں نے اپنے دور میں کیا۔ مرتدوں کے خلاف جنگوں میں صحابہ کرامؓ کی شرکت دیگر اسلامی فتوحات کے لیے ربانی تربیت تھی، انھی جنگوں میں مجاہدین اسلام کی صلاحیتیں چمکیں، ان کی چھپی ہوئی طاقتیں ظاہر ہوئیں، میدان کارزار کی قیادت سامنے آئی، جہادی کمانڈروں نے نئے جنگی اسلوب اور پلان بنائے۔ خلافتِ ابو بکر صدیقؓ میں جہادِ مجاہدین کے سبب جزیرۃ العرب متحد ہو کر اسلامی پرچم کے سائے تلے اکھٹا ہو گیا اور یہ امر سرکش سرداروں کی سرکشی کے خاتمے اوران کے اسلامی مملکت کے زیرِ اثر آجانے سے ہوا، اسلامی ریاست کے دارالخلافہ شہر مدینہ نے اپنا اثر ورسوخ جزیرۃ العرب کے چار سو پھیلا دیا اور تمام امتِ اسلامیہ ایک قائد کے کندھوں سے کندھا ملا کر ایک نظریہ، ایک مقصد اور ایک اصول کے تحت آگے بڑھنے لگی، یہ ایک ایسی کامیابی تھی جس نے تمام قبائلی، نسلی تعصبات کو ختم کر کے امتِ مسلمہ کو ایک تسبیح کے دانوں میں پرو دیا۔ حضرت ابو بکرؓ کی قیادت میں اسلامی حکومت وہ قوم بن گئی جو سنگین ترین بحرانوں پر غلبہ کی پوری قوت رکھتی ہے۔ حضرت ابو بکرؓ کا مسلمانوں کو منظم کرنے، اسلامی دعوت پہنچانے اورانھیں مضبوط بنانے کا منصوبہ کامیاب رہا اس طریقے سے ثابت قدم رہنے والے مسلمانوں کی تعلیم وتربیت کا مقصد بھی پورا ہوا، مرتدین کی رسوائی ہوئی، اس سے آئندہ کے لیے منظم اور مسلح جدوجہد کی راہ ہموار ہوئی۔ یہی لوگ بعد میں ہونے والی اسلامی فتوحات میں قیادت کے فرائض انجام دیتے رہے۔ دورِ حکومت حضرتِ ابو بکر صدیقؓ مسلمانوں کی حکومت کا باقاعدہ پہلا دورِ حکومت تھا، حکمرانی کا اس سے قبل ان کو کوئی خاص تجربہ نہ تھا لیکن صدیقِ اکبرؓ نے جو بھی اقدام اختیار فرمائے انتظامی لحاظ سے عصرِ حاضر کے جدید ترین حکمرانی کے اصولوں سے افضل تھے۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ کی حکمت عملی سے پورا عرب معاشرہ شرک کی نجاست سے پاک اور فتنۂ ارتداد کے مصائب سے بالکل محفوظ ہو گیا۔ مرتدین سے مقابلہ میں حضرت ابو بکر صدیقؓ کی شخصیت کے جوہر سامنے آئے، آپؓ امت مسلمہ کے ایک ایسے قائد کی حیثیت سے ابھرے جو اپنی قوم کے لیے جان قربان کر دیتا ہے۔ ارتداد کے فتنے کے خاتمے سے دینِ اسلام کسی بھی قسم کی تبدیلی سے حفاظت میں آگیا اوراس طرح یہ بھی حقیقت واضح ہو گئی کہ حالات کتنے ہی ناسازگار کیوں نہ ہو جائیں دینِ اسلام میں کسی بھی غیر اسلامی قانون کو

جگہ نہیں دی جائے گی۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ مرد بحران کے طور پر سامنے آئے جو سنگین بحرانوں میں اپنی بصیرت ، فہم وفراست کے سبب ہر میدان میں سرخرو رہے۔ اسلامی قوت کا سرچشمہ افرادی یامادی وسائل نہیں بلکہ عقیدہ توحید پر ایمان ہے اوراس کا اصل کام لوگوں کو اسلام کی دعوت دیناہے ان کے ساتھ جنگ مقصود نہیں۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے نامساعد حالات میں بحیثیت قائد و حکمران امت مسلمہ کو متحد کیا اور اسلامی ریاست کو استحکام بخشا۔ صدیقِ اکبرؓ نے اپنی بہترین و مثالی قیادت سے رسولِ اکرم ﷺ کی نیابت کا حق ادا فرمایا۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے دینِ اسلام کو نئی جِلا بخش کر مجددانہ کردار ادا فرمایا۔

خلاصۂ بحث

اسلامی ریاست میں حاکم وقت کی ذمہ داری ہے کہ وہ اسلامی ریاست کو مستحکم کرے اوراسلامی شریعت کے مطابق ریاست کو چلائے اور مملکت پر مشکل وقت آنے پر قائدانہ کردار ادا کرتے ہوئے ریاست کو مشکلات سے نکالے۔ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد اسلامی ریاست مشکلات کا شکار ہوگئی۔ نبوت کے جھوٹے دعوے دار کھڑے ہوگئے، مرتدین نے بغاوت کردی، بہت سے قبائل نے زکاۃ دینے سے انکار کردیا، اندرونی وبیرونی خطرات لاحق ہوگئے۔ ان حالات میں حضرت ابو بکر صدیقؓ نے مسلمانوں کی قیادت سنبھالی۔ اس ریسرچ پیپر میں رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد مشکل صورت حال میں فتنوں کے خاتمے اوراسلامی ریاست کے استحکام میں حضرت ابو بکر صدیقؓ کے قائدانہ کردار کو تحقیق کا حصہ بنایا گیا ہے۔ تحقیق سے نتیجہ اخذ کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد مضطرب لوگوں کو ثابت قدم رکھنے کے لیے آپؓ نے عملی اقدامات کئے، مختلف خطرناک فتنوں کا اپنی ذہانت وبصیرت اور بہادری سے خاتمہ کیا، قائدانہ کردار ادا کرتے ہوئے اسلامی ریاست کو استحکام اور اسلام کو نئی زندگی بخشی۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے بحیثیت ایک قائد وحکمران اسلامی ریاست کے استحکام اورامتِ مسلمہ کے اتحاد کے لیے جو کردار ادا کیا وہ عصرِ حاضر کے حکمرانوں کے لیے ایک بہترین مثال ہے۔ اسلامی ریاست کی ترقی، عروج اور سرخروئی، ریاستی معاملات وانتظامات اسلامی اصولوں کے مطابق چلانے میں ہے۔

References

[1] Ibn Hajar Ahmed Ibn ʻAlī al-Asqalānī, *Al-Isābah fī Tamyeez al-Suhaba* (Beirut: Dār al-Kutub al-Ilmiya), 4:144.

[22] Abū Jʻafar Ahmed al-Ṭibrī, *Al-Riāz al-Nahda fī Manāqib al-Ashraf* (Beirut: Dār al-Kutab al-Ilmiya), 1:77.

[3] Jalāl al-Dīn Ibn Abī Bakr al-Syūtī, *Tareekh al-khulafa* (Lahore: Ziā al-Qurān Publications), 24.

[4] Abd al-Raḥmān Ibn Khaldūn, *Tareekh Ibn-e-Khuldūn* (Karachi: Nafees Academy, 2003), 3-1: 219.

[5] Ibn Khuldūn, *Tareekh Ibn-e-Khuldūn*, 3:169-172.

[6] Muhammad Ibn ʻIsā al-Tirmidhī, *Jāmiʻ Timidhī* (Riādh: Dār al-Salām), Ḥadīth no: 3618.

[7] Ibn Hashshām, *Al-Seerat al-Nabawiya* (Beirūt: Dār Ihyā al-Turāss alʻArabī, 1997), 4:323.

[8] Imām Muhammad Ibn Ismāʻīl al-Bukhārī, *Ṣaḥīḥ Bukhārī*, trans. Hafiz Abd al-Sattār Hammād (Riādh: Dār al-Salām, 2012), Ḥadīth no: 4453.

[9] Al-Bukhārī, *Ṣaḥīḥ Bukhārī*, Ḥadīth no: 1241.

[10] Al-ʻImrān 3:144.

[11] Al-Bukhārī, *Ṣaḥīḥ Bukhārī*, Ḥadīth no: 4454.

[12] Abū Abdullah Muhammad Ibn Ahmad al-Qurṭubī, *Tafseer-e-Quṛtubī*, (Beirut: Dār Ihyā al-Turāss al-'Arabī, 1965), 4:222.
[13] Mājdī Ḥāmdī, *Abū Bakr Rajl al-Dolaa* (Riaz: Dār e Tayyabia,1415 AH), 25-26.
[14] 'Alī Ibn Hassan Ibn Asākir, *Tāreekh-e-Damishq* (Beirut: Dār al-Fikr), 30:311.
[15] Al-Syūtī, *Tareekh al-khulafa*, 56.
[16] Majlis al-Madinah al-Ilmiya, *Faizān-e-Siddīqu-e-Akbar R.A* (Karachi: Maktaba tul Madinah, 2013), 343.
[17] Al-Asqalānī, *Fatah al-Bārī* (Lahore: Al-Muktaba al-Salafiya, 1401 A.H), 8:152.
[18] Ḥāfiz Muhammad Zubair, *Asr-e-Ḥāzir main Ijtamā'yi Ijtehād* (Lahore: Shaikh Zaid Islāmic Centre, Panjab University, 2010), 2:240.
[19] Allāma Alou al-Dīn 'Alī Ibn Hassām al-Dīn al-Muttaqī, *Kanz al-Ummāl* (Karachi: Dār al-Ishā'at, 2009), Ḥadīth no: 14066, 3-5:299.
[20] Al-Qurṭubī, *Tafseer-e-Quṛtubī*, 4:45.
[21] Al-Muttaqī, *Kanz al-Ummāl*, Ḥadīth no: 14066, 3-5:299.
[22] Ibn Kathīr, *Al-Bidaya wa al-Nihāya* (Qahira: Dār al-Riyān), 6:307.
[23] Muhammad Ibn Ahmad Ibn Usmān al-Zahbī, *Tāreekh al-Islām* (Dār al-Kitāb al-Arabī, 1997), 3:20.
[24] Aaz al-Dīn al-Tamīmī, *Al-Shura baeen al-Asalata wa al-Maasarata* (Lahore: Dār al-Bashīr, 1985), 83.
[25] Abbās Mehmood al-Eqād, *Abqariya al-Siddīque* (Beirūt: Al-Maktabata al-Asriya), 109.
[26] Muhammad Razā, *Seerat-e-Abū Bakar Siddīque*, trans. Muhammad Sarwar Gūhar (Lahore: Maktaba Islamiya, 2010), 55.
[27] Dr. 'Alī al-Atoom, *Harkt-ur-Ridah* (Omān: Maktaba al-Risala al-Ḥadītha, 1997), 168.
[28] Akbar Shāh khān Najeeb Abādī, *Tāreekh-e-Islām* (Lahore: Dār al-Undlas), 1:324-325.
[29] Dr. 'Alī Muhammad al-Salabī, *Syednā Abū Bakr Siddique R.A* (Riādh: Dār al-Salām), 1:467.
[30] Al-Atoom, *Harkt-ur-Ridah*, 20.
[31] Imām Muslim Ibn Al Hajjāj al Qusheyrī, *Ṣaḥīḥ Muslim*, trans. Prof. Muhammad Yaḥyā Sultān Meḥmood Jalāl Pūrī, (Riādh: Dār al-Salām, 2014), Ḥadīth no: 124.
[32] Muhammad Ahmad Hashmeel, *Harob-ur-Ridh* (Lahore: Dār al-Fikr, 1979), 24.
[33] Sheikh Ismā'īl Ḥaqī, *Tafseer Rooh al-Biyān*, 2:405.
[34] Al-Tamīmī, *Al-Shura baeen al-Asalata wa al-Maasarata*, 86.
[35] Meḥmood Shāmī, *Hiyāt-e-Abī Bakr* (Beirut: Dār al-Jeel, 1979), 123.
[36] Abū al-Hassan al-Nadvī, *Al-Murtzā: Seerat-e-Ameer al-Mu'minīn Abī al-Hassan Ali Ibn Abī Tālib* (Damishq: Dār al-Qalam, 1998), 72.
[37] Al-Atoom, *Harkt-ur-Ridah*, 319.
[38] Dr. 'Alī Muhamma al-Salabī, *Fiqh al-Tamkīn fī al-Qurān al-Karīm* (Al-Mansorah: Dār al-Wafā, 2001), 491.
[39] Dr. Abd al-Raḥmān al-Shujā, *Tāreekh Sadar al-Islām* (Damishq: Dār al-Fikr), 142-143.
[40] Dr. Jameel Abdullah Miṣrī, *Tāreekh al-Da'wa tul Islamiya fī Zamn-ur-Rasool ﷺ wa al-Khulfa al-Rashideen* (Madina: Dār al-Maktaba, 1987), 256.
[41] Muhammad Qutub, *Keef Naktab al-Tareekh al-Islāmī* (Saudī 'Arab: Dār al-Waṭan, 1442 A.H), 101.
[42] Razā, *Seerat-e-Abū Bakr Siddīque*, 17.